قرآن کے تحفظ پر ایک تاریخی نظر

{از جناب مولوی غلام ربانی صاحب ایم۔ اے (عثمانیہ)}

(۲)

اس سوالیہ فقرے کے بعد قرآن ہی میں اس دعوے کا اعلان کیا گیا یعنی

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ — بلکہ وہ تو بلند و بالا تر قرآن ہے لوح محفوظ میں

اس کا بہ ظاہر یہی مطلب معلوم ہوتا ہے کہ فرعون و نمرود جیسی قوموں کی سی جبار حکومتوں کی طاقت بھی قرآن کو غیر محفوظ کرنے کی کوشش کسی زمانہ میں بھی خدانخواستہ اگر کرے گی تو ان کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ تیرہ سو سال سے قرآن کے اس دعوے کی دوست ہی نہیں بلکہ دشمن بھی تصدیق کر رہے ہیں "ہم قرآن کو محمد کا کلام اسی طرح یقین کرتے ہیں جس طرح مسلمان اس کو خدا کا کلام یقین کرتے ہیں"۔ (اعجاز التنزیل صفحہ ۵)

یہ ایک غیر مذہب کے آدمی کا ایسا منصفانہ اعتراف ہے کہ قرآن کی تاریخ سے تھوڑی بہت بھی جو واقفیت رکھتا ہے خدا کا کلام اس کو نہ بھی مانے لیکن اس اعتراف و اقرار پر تو اپنے آپ کو وہ یقیناً مجبور پائے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کو جن خصوصیتوں کے ساتھ دنیا کے حوالہ کیا تھا ابتداء سے اس وقت تک بغیر ادنیٰ تغیر و تبدل اور سر مو تفاوت کے وہ اسی طرح نسلاً بعد نسلٍ کروڑ ہا کروڑ مسلمانوں میں اس طریقہ سے منتقل ہوتی ہوئی چلی آرہی ہے کہ سال دو سال تو خیر بڑی بات ہے ایک لمحہ کے لئے بھی نہ قرآن ہی مسلمانوں سے کبھی جدا ہوا اور نہ مسلمان قرآن

سے جدا ہوئے اور اب تو طباعت و اشاعت وغیرہ کے لامحدود ذرائع کی پیدائش کا نتیجہ یہ ہو چکا ہے کہ میر و سودا کی غزلوں یا اسی قسم کی دوسری معمولی چیزوں کو بھی کوئی اب دنیا سے مٹا نہیں سکتا تو قرآن کے مٹنے مٹانے کا بھلا اب امکان ہی کیا باقی رہا؟

اس وقت تک میں نے قرآن کی انھیں اندرونی شہادتوں کا ذکر کیا ہے جن کے نتائج اور مفاد کو وہ بھی مانتے ہیں اور ان کو ماننا بھی چاہیے جنھوں نے اب تک اس کتاب کو خدا کی کتاب تسلیم نہیں کیا ہے قرآن جن کے نزدیک خدا کی کتاب ہے ان کے لئے تو اس سلسلہ میں خود قرآن ہی نے کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ (حم سجدہ) — قرآن میں نہ سامنے سے الباطل کے گھسنے کی گنجائش ہے اور نہ پیچھے سے

اس کا حاصل یہی ہے کہ الباطل (یعنی قرآن کا جو جز نہیں ہے) اس کے لئے خدا نے ذمہ داری لی ہے کہ چاہنے والے کسی راستہ سے بھی چاہیں کہ قرآن میں اس کو داخل کر دیں تو وہ ایسا نہیں کر سکتے ظاہر ہے کہ ان الفاظ کو خدا کے الفاظ جو تسلیم کر چکا ہے کیا وہ اپنے آپ کو مسلمان باقی رکھ سکتا ہے اگر کسی لفظ یا شوشہ تک کے اضافہ کا قرآن میں وہ تصور کرے؟

اور جو حال اضافہ کا ہے بجنسہ وہی کیفیت کمی کی بھی ہے خود قرآن کا اتارنے والا خدائے ذوالجلال فرماتا ہے

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ (القیامۃ) — قطعاً ہم پر قرآن کے جمع رکھنے کی ذمہ داری ہے

جب خدا اس کے جمع کرنے کی ذمہ داری لے چکا تو اس کی صورت ہی کیا باقی رہتی ہے کہ قرآن میں جن چیزوں کو خدا جمع کر چکا ہے اس کو قرآن سے کوئی نکال دے یا اپنی جگہ سے کوئی ہٹا دے بلکہ

اسی کے بعد اگر غور کیا جائے تو قُرْاٰنَہٗ کے لفظ کا اضافہ بلا وجہ نہیں کیا گیا ہے بلکہ بعض پوشیدہ شکوک وشبہات کے ازالہ کا اس میں سامان مل سکتا ہے سوال ہو سکتا تھا کہ صرف جمع کرنے اور باقی رکھنے کی ذمہ داری اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ کے الفاظ سے لی گئی ہے جس کا مفاد یہی ہو سکتا ہے کہ قرآن کے کسی جزو کو خدا غائب نہ ہونے دیگا اور قرآن دنیا میں اپنے تمام اجزاء کے ساتھ رہتی دنیا تک موجود رہے گا لیکن اسی دنیا میں مبسیوں کتابیں ایسی ہیں جن کا پڑھنے والا اب کوئی باقی نہیں رہا ایسی صورت میں کتاب کا دنیا میں رہنا نہ رہنا دونوں باتیں برابر ہیں اب اگر سوچئے تو اس خطرے کا جواب "قُرْاٰنَہٗ" کے لفظ میں پا سکتے ہیں یعنی اس کی بھی ذمہ داری "قرآنہ" کے لفظ سے لی گئی کہ قیامت تک اس کتاب کے پڑھنے والوں کو خدا پیدا کرتا رہے گا اور اس وقت تک یہ ذمہ داری جیسا کہ دنیا دیکھ رہی ہے خدا پوری کر رہا ہے آگے سوال ہو سکتا تھا کہ پڑھنے والے بھی باقی رہیں لیکن سمجھنے اور سمجھانے والے اگر غائب ہو جائیں تو اس وقت بھی کتاب کا افادہ ختم ہو جائے گا جیسے آج وید کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ اس کی زبان اتنی پرانی ہو چکی کہ لغت کی مدد سے بھی اس کا سمجھنا مشکل ہے[1] اسی وسوسے کا ازالہ

ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ — پھر ہم ہی پر ہے اس کا بیان بھی۔

سے کیا گیا ہے یعنی قرآنی آیات کے صحیح مطالب بیان کرنے والوں کو بھی ہر زمانہ کے اقتضاء

---

[1] سندر لال جی اپنی مشہور کتاب گیتا اور قرآن میں وید کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کی (یعنی ویدوں کی) زبان اتنی پرانی اور عجیب ہے اور ایک ایک منتر کے اتنے اتنے طرح سے ارتھ لگائے جا سکتے ہیں کہ بے پڑھے لوگوں کے لئے نہیں بلکہ ودوانوں (علماء) کے لئے بھی ہزاروں برس سے وید ایک پہیلی رہا ہے اور ہمیشہ پہیلی ہی رہے گا۔ صـ۹۹ کتاب مذکور اردو ایڈیشن

کے مطابق قدرت پیدا کرتی رہیگی اور تیرہ صدیوں سے اس کا تجربہ بھی مسلسل ہو رہا ہے دراصل انھیں تفصیلات کا اجمالاً ذکر قرآن کی مشہور آیت میں فرمایا گیا ہے جسے عموماً مولوی اپنے وعظوں میں لوگوں کو سناتے ہی رہتے ہیں یعنی

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر) ہم ہی نے اس ذکر (چونک پیدا کرنے والی کتاب) کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کی قطعاً حفاظت کرینگے

بہرحال بیرونی شہادتوں سے اگر قطع نظر بھی کر لی جائے تو قرآن کی اندرونی شہادتوں سے ان سارے سوالوں کے جوابوں کو ہم حاصل کر سکتے ہیں جو قرآن جیسی کسی کتاب کے متعلق دلوں میں پیدا ہو سکتے ہیں۔

قرآن میں نوشت وخواند سے متعلق الفاظ | انتہا یہ ہے کہ قرآن کے عہد نزول میں عرب کے ماحول کی جو نوعیت نوشت وخواند کے لحاظ سے تھی عرب کی صحیح تاریخ کا جنہوں نے مطالعہ نہیں کیا ہے نیز قرآن ہی کی ایک اصطلاح یعنی لفظ "جاہلیت" کے اصطلاحی معنی سے ناواقف ہونے کی وجہ سے بعض لوگ اس مغالطہ میں جو مبتلا ہو جاتے ہیں کہ جاہلیت کے اس دور میں قرآن کی کتابت کے امکان کی صورت ہی کیا تھی؟ انھوں نے باور کر لیا ہے کہ عرب میں نہ لکھنے والے پائے جاتے تھے اور نہ لکھنے پڑھنے کا سامان اس وقت اس ملک میں موجود تھا مگر کاش معترضین کا یہ گروہ صرف قرآن ہی کا مطالعہ کر لیتا تو اس کتاب میں بار بار رق، قرطاس، صحیفہ، صحف، قلم، زبر، الواح، مداد، (روشنائی)، اسفار، کتب وغیرہ الغرض ایسی ساری چیزیں جن کا عموماً نوشت وخواند سے تعلق ہے اس کے ذکر سے خود قرآن کو پُر پائیں گے اور یہ تو لکھنے پڑھنے کے سامان کا حال ہے باقی رہا لکھنے والے سو حیرت ہوتی ہے کہ عرب کے اس زمانہ کے باشندوں کی طرف قرآن ہی میں

يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (البقرہ)

لکھتے ہیں وہ لوگ کتاب اپنے ہاتھوں سے اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے آئی ہوئی کتاب ہے۔

اور ایسی آیتیں مثلاً

يَلْوُوْنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ (آل عمران)

اپنی زبانوں کو مروڑتے ہیں کتاب کے ساتھ تاکہ تم سمجھو وہ کتاب ہی کی ہے حالانکہ نہیں ہے وہ کتاب

پڑھتے ہیں پھر لین دین کے جس قانون کا طویل بیان (سورۂ بقرہ کے آخر) میں پایا جاتا ہے اور تاکید کے ساتھ قرضی معاملات کے لکھنے کا اصرار قرآن نے جو کیا ہے سوچنا چاہئے کہ ان امور کا انتساب ان لوگوں کی طرف کسی حیثیت سے بھی صحیح ہو سکتا ہے جو نوشت و خواند سے قطعاً بیگانہ اور ناآشنا ہوں۔

قرآن میں جاہلیت کے معنی | رہا جاہلیت کا لفظ سو میں بیان کر چکا ہوں کہ یہ قرآن کی بنائی ہوئی اصطلاح ہے متعدد مقامات پر اس نے اپنی اس اصطلاح کو استعمال کیا ہے مثلاً مردوں اور عورتوں کی مخلوط سوسائٹی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى (الاحزاب)

اور نہ بناؤ سنگار کرو جاہلیت اولیٰ والوں کے بناؤ سنگار کی طرح

یا عرب پر نسلی و لسانی" اور وطنی عصبیتوں کا جو بھوت سوار تھا[1]۔

---

[1] اسی سلسلہ کا مشہور لطیفہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو عرب کے مضری قبیلہ سے نسلی تعلق رکھتے تھے جب آپ کے مقابلہ میں مضری قبیلہ کے دوسرے حریف عربی قبیلہ ربیعہ کے ایک آدمی مسیلمہ نے بھی نبوت کے دعوے کا اعلان کر دیا تو لکھا ہے کہ طلحۃ النمری قبیلہ ربیعہ کا ایک سردار مسیلمہ کے پاس بھی (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

اس کی تعبیر حمیتہ الجاہلیۃ سے کی گئی ہے یا خدا کے متعلق ارتیابی (اگیناسٹک) ذہنیت عام عربوں پر جو مسلط تھی اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

یَظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ (آل عمران) اور خیال رکھتے ہیں اللہ کے ساتھ جاہلیت کے خیالات۔

فرمایا گیا۔ اب آپ ہی بتائیے کہ کسی جگہ پر بھی "جاہلیت" کے اس لفظ کا وہ مطلب سمجھا جاتا ہے جو اس زمانہ کے جاہلوں اور ناواقفوں نے سمجھ رکھا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اسلام اور اسلامی تعلیمات کے مقابلہ میں عربوں کی غیر اسلامی زندگی اخلاقاً و اعتقاداً جو کچھ بھی تھی اور جن خصوصیتوں کی حامل تھی دراصل اسی کی تعبیر قرآن جاہلیت سے کرتا ہے بہرحال یہ بات کہ اسلام سے پہلے نوشت و خواند سے عرب کے لوگ چونکہ ناواقف تھے اس لیے ان کے زمانہ کو قرآن جاہلیت کا زمانہ قرار دیتا ہے یہ وہی کہہ سکتا ہے جو قرآن سے بھی جاہل ہے اور ایام جاہلیت کی تاریخ سے بھی

بیرونی شہادتیں | قرآن کی ان اندرونی شہادتوں کے اجمالی بقدر ضرورت تذکرہ کے بعد اب

(بقیہ حاشیہ سلسلہ صفحہ گذشتہ) آیا گفتگو کے بعد طلحہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو (مسیلمہ) جھوٹا ہے اور محمد سچے ہیں مگر اسی کے ساتھ طلحہ نے کہا کہ ربیعہ کا کذاب (جھوٹا) مضر کے صادق (راستباز) سے مجھے زیادہ محبوب ہے اس کے بعد مسیلمہ کے رفقاء میں شریک ہو گیا ص۲۴۶ طبری ج ۴ مسیلمہ کے دعویٰ کی بنیاد قومی حمیت و عصبیت پر مبنی تھی اس کا پتہ ان فقروں سے بھی ملتا ہے جو قرآن کے مقابلے میں شریر بنایا کرتا تھا حضرت ابوبکر کے سامنے سنانے والے نے سنایا تھا کہ مسیلمہ یہ بھی کہتا تھا یا صفدع نقی نقی لا الشارب تمنعین ولا الماء تکدرین لنا نصف الارض ولقریش نصف الارض ولکن قریشا قوم یعتدون (اے مینڈکی ٹراٹرا تو نہ پانی پینے والوں کو روکتی ہے اور نہ پانی کو گدلا کرتی ہے زمین عرب کی آدھی ہماری یعنی ربیعہ والوں کی اور آدھی قریش کی مگر قریش تو زیادتی سے کام لے رہے ہیں) ص۲۵۳ ج ۴ طبری

میں بیرونی شہادتوں کی طرف پڑھنے والوں کی توجہ منعطف کرانا چاہتا ہوں۔ اس موقع پر سب سے پہلے شیعی فاضل علامہ طبرسی کے خیالات کا پیش کرنا مناسب ہوگا انھوں نے اپنی تفسیر "مجمع البیان" میں لکھا ہے اور بالکل صحیح لکھا ہے

اِنَّ الْعِلْمَ بصحۃ نقل القرآن کالعلم بالبلدان والحوادث الکبار والوقائع العظام والکتب المشہورۃ۔	یعنی قرآن اپنی اصلی حالت کے ساتھ گذشتہ نسلوں سے منتقل ہوتے ہوئے پچھلی نسلوں تک پہنچا ہے اس واقعہ کے علم کی نوعیت وہی ہے جو بڑے بڑے شہروں یا مشہور حوادث اور اہم تاریخی واقعات یا مشہور کتابوں کے علم کی ہے۔
(مقدمہ روح المعانی صـ۲۲)	

بلا شبہ واقعہ یہی ہے آج نیویارک اور لندن کے وجود میں شبہ یا شک جیسے جنون ہے یا جنگ عظیم کے حادثہ کا منکر پاگل سمجھا جائے گا یقیناً متواتر اور متوارث ہونے میں بجنسہ یہی حال قرآن مجید کا بھی ہے کیا اس کا انکار کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو جس دن سے قرآن ملا ہے اس دن سے آج تک گذشتہ تیرہ صدیوں میں ایک لمحہ کے لئے بھی اس کتاب سے وہ جدا ہوئے یا جدا کئے گئے ہیں لاکھوں انسانوں کے حوالے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کو کیا اور ان لوگوں نے اپنی بعد کی نسلوں تک اسے پہنچایا جن کی تعداد بلا مبالغہ کروڑوں سے متجاوز تھی اور یوں ہی طبقۃً بعد طبقۃٍ نسلاً بعد نسلٍ نوشتہ و مکتوبہ شکل میں یہ کتاب مسلمانوں میں منتقل ہوتی چلی آرہی ہے پس سچی بات یہی ہے کہ قرآن تو قرآن ایسی کتابیں جیسے نحو میں سیبویہ کی یا اصول میں المزنی کی کتاب ہے بقول علامہ طبرسی :-

لو اَنَّ مدخلا ادخل فی کتاب	اگر سیبویہ اور المزنی کی کتابوں میں کوئی شخص

سیبویہ وَالمزنی بابا مِن النحو — اپنی طرف سے کسی چیز کو داخل کردے تو فوراً
لیس من الکتاب نعرف (ردوہ) — یہ بات پہچان لی جائے گی۔

تو پھر قرآن میں اضافہ یا کمی کے امکان کی بھلا کیا صورت ہے اسلامی ممالک کے کسی ابتدائی مکتب کا ایک بچہ بھی اس شخص کو ٹوک سکتا ہے جو فتحہ (زبر) کی جگہ کسی حرف کو رفع (پیش) کیساتھ پڑھے گا جس کا جی چاہے اس کا تجربہ ہر جگہ کر سکتا ہے۔

تواتر اور توارث کے اس عام قصہ کے سوا قرآن کے جمع و ترتیب کے سلسلہ میں بیرونی روایتوں کا جو ذخیرہ پایا جاتا ہے میرے نزدیک ان کی دو قسمیں ہیں ایک حصہ ان روایتوں یا شہادتوں کا تو وہ ہے جن سے قرآن کے بعض اجمالی بیانات یا شہادتوں کی شرح ہوتی ہے ہم پہلے انھیں کو ذکر کرتے ہیں۔

تشریحی روایات | مطلب یہ ہے کہ قرآنی آیات کا نزول وقفہ وقفہ سے تدریجاً جو ہوتا رہا آپ سن چکے ہیں کہ یہ خود قرآن کا دعویٰ ہے اور ایک سے زائد مقام پر اس دعویٰ کا ذکر خود قرآن میں کیا گیا ہے اسی عنوان کی تفصیل روایتوں میں یہ ملتی ہے کہ قرآن کی ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتوں کی حیثیت دراصل مستقل کتابوں یا رسالوں کی قرار دی گئی تھی مثلاً اس کو یوں سمجھیے کہ تاریخ، فلسفہ، اقلیدس، طب اور جغرافیہ وغیرہ مختلف علوم و فنون کی کتابوں کو ایک ہی مصنف اگر تصنیف کرنا شروع کرے اور تصنیف میں یہ طریقہ اختیار کرے کہ جس کتاب کا جو مواد فراہم ہوتا جائے اُس کو متعلقہ کتاب میں درج کرتا چلا جائے اور یوں آہستہ آہستہ دس بیس برس میں آگے پیچھے اس کی یہ ساری تصنیفیں ختم ہوں واقعہ یہ ہے کہ کچھ یہی کیفیت قرآنی سورتوں یا ان مستقل رسالوں یا کتابوں کی ہے[1]۔

---

[1] قرآن ہی میں ایک جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف کرتے ہوئے یہ جو فرمایا گیا ہے رَسُولٌ مِّنَ

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

جن کے مجموعہ کو ہم قرآن کہتے ہیں۔ بتدریج ۲۳ سال میں ان سب کے نزول کا قصہ ختم ہوا ان سورتوں میں کوئی اختتام تک پہلے پہنچی اور کوئی بعد۔ یہی مطلب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ کا ہے جو ابوداؤد، نسائی اور ترمذی وغیرہ میں پائے جاتے ہیں آپ نے فرمایا

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر متعدد سورتیں
ینزل علیہ السور ذوات العدد	اترتی رہتی تھیں (یعنی ایک ہی زمانہ میں مختلف
(مختصر کنز العمال برحاشیہ مسند ج ۲)	سورتوں کے نزول کا سلسلہ جاری رہتا تھا)

اسی روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ ذوات العدد (متعدد) .... سورتیں تدریجی طور پر جب نازل ہوری تھیں ان کے لکھوانے اور قلم بند کرانے کا طریقہ یہ تھا:

فکان اذا انزل علیہ الشیٔ دعا	جب رسول اللہ پر کوئی چیز نازل ہوتی تو جو لکھنا
بعض من کان یکتب فیقول ضعوا	جانتے تھے ان میں سے کسی کو آپ طلب فرماتے
ھذا فی السورۃ التی یذکر فیھا	اور کہتے کہ اس آیت کو اس سورہ میں لکھو جس
کذا و کذا (مختصر کنز ص)	میں فلاں فلاں باتیں یا آیتیں ہیں[1]

(بقیہ سلسلہ صفحہ گذشتہ) اللہ یتلو صحفا مطہرۃ فیھا کتب قیمۃ" اللہ کی طرف سے پیام لاتے ہیں پڑھتے ہیں پاک صحیفوں کو جن میں استوار اور مضبوط لازوال (تعلیم والی) کتابیں ہیں۔ اس میں "کتب" کے لفظ کو "کتاب" کی جمع قرار دینا قطعاً لغت کی خلاف ورزی نہیں بلکہ لغوی معنی بھی ہو بھی سکتے ہیں اور ان سے مراد قرآن کی یہی متعدد کتابیں یا رسالے ہوں جنھیں ہم اصطلاحاً قرآن کی سورتیں کہتے ہیں تو انکار کی کیا کوئی معقول وجہ ہو سکتی ہے؟ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ صحف میں کتابوں کے ہونے کی ترکیب میں لوگوں نے جو دشواریاں پیدا کر کے طرح طرح کی دور از کار تاویلیں کی ہیں ان کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی صرف سیدھا ترجمہ یہ ہو جاتا ہے کہ پاک اوراق جن میں استوار او مستحکم کتابیں یعنی سورتیں لکھی ہوئی ہیں ۱۲ مناظر احسن گیلانی۔

[1] اسی مسند احمد میں یہ روایت ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اتانی جبریل فامرنی ان اضع ھذہ الآیۃ بھذا الموضع من ھذہ السورۃ (جبریل آئے اور مجھے حکم دیا کہ میں اس آیت کو اس سورت کی فلاں جگہ پر رکھوں) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورتوں میں نازل ہونے والی آیتوں کو جبریل علیہ السلام کے حکم سے آپ

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

مطلب وہی کہ طب کے متعلقہ مضامین کو طب کی کتاب میں اور تاریخ کے مواد کو تاریخ کی کتاب میں مذکورہ بالا طریقۂ تصنیف اختیار کرنے والا مصنف جیسے داخل کرتا چلا جاتا ہے اسی طرح قرآنی آیات کو ان کی متعلقہ سورتوں میں آنحضرت صلعم شریک کرنے کا حکم دیا کرتے تھے

جیسا کہ معلوم ہے خود قرآن ہی نے

وَلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ (عنکبوت) اور نہ لکھا ہے اس کو تم نے اپنے داہنے ہاتھ سے

کی خبر دیتے ہوئے اس کا انکشاف کیا ہے کہ صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا نہیں جانتے تھے لیکن آپ نے ایک نہیں بلکہ اپنے صحابیوں میں سے چالیس سے اوپر حضرات کو اس کام کے لئے مقرر کر رکھا تھا کہ جس وقت قرآن کی جس سورت کی جن آیتوں کی وحی ہو فوراً پہنچ کر ان کو لکھ لیا کریں العراقی کی منظومہ سیرت میں ان کاتبوں کے نام گناتے ہوئے نظم کی ابتداء

اس مصرعہ سے کی ہے

وکتابہ اثنان واربعون[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں کی تعداد

(۴۲) تھی۔

کاتبوں کی اتنی بڑی تعداد مقرر کرنے کی وجہ یہی تھی کہ وقت پر ایک نہ ملے تو دوسرا اس کو انجام دیدے

"عقد الفرید" میں ابن عبد ربہ نے حضرت حنظلہ بن ربیع صحابی کا ذکر کرتے ہوئے یہ لکھا ہے

ان حنظلة بن ربيع كان خليفة كل حنظلہ بن ربیع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

(بقیہ حاشیہ سلسلہ صفحہ گذشتہ) شریک کرتے تھے (دیکھو مختصر کنز العمال صفحہ ۲ ج ۲) جس کا مطلب یہی ہوا کہ خود رسول اللہ نے نہیں بلکہ ہر آیت جس سورہ میں جس مقام پہ ہے یہ جبریل کے حکم سے ہوا ہے

[2] دیکھو الکتانی کی کتاب التراتیب الاداریہ ج ۱ صفحہ ۱۱۶ مطبوعہ مراکش اسی کتاب میں ان (۴۲) کاتبوں کے نام بھی مل جائیں گے۔

کاتب من کتابہ علیہ اذا غاب | تمام کاتبوں کے خلیفہ اور نائب تھے

(عقد الفرید ج ۲ ص ۱۴۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حنظلہ کو یہ حکم تھا کہ خواہ کوئی رہے یا نہ رہے وہ ضرور رہیں تاکہ کاتبوں میں سے اتفاقاً وقت پر اگر کوئی نہ ملے تو کتابت وحی کے کام میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اسی انتظام کا یہ نتیجہ تھا کہ نزول کے ساتھ ہی ہر قرآنی آیت قید کتابت میں آکر قلم بند ہو جاتی تھی ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے طبرانی کے حوالہ سے مجمع الزوائد میں یہ روایت ہیثمی نے نقل کی ہے

قالت کان جبریل علیہ السلام یملی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم | ام سلمہ فرماتی ہیں کہ جبریل علیہ السلام قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھواتے تھے

(رواہ الطبرانی فی الاوسط مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۵۷)

بہ ظاہر اس کا مطلب یہی ہے کہ اترنے کے ساتھ جبریل کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نازل شدہ آیتوں کو لکھوا دیا کرتے تھے کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ معلوم ہے نہ لکھنا جانتے تھے اور نہ قرآنی آیتوں کو خود لکھا کرتے تھے انتہا اس احتیاط کی یہ تھی کہ جب "غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ" کے الفاظ بطور اضافہ کے لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ الآیۃ والی مشہور آیت کے متعلق نازل ہوئے مگر یہی اضافہ جو بقول امام مالکؒ حرف واحد کی حیثیت رکھتا تھا لیکن اس یک حرفی اضافہ کو بھی اس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قلم بند کرنے کا حکم دیا۔ (دیکھو بخاری وغیرہ) امام مالکؒ نے "حرف واحد" اس کو ہارون سے ملاقات کے وقت کہا تھا دیکھئے درمنثور ج ۲ ص ۲۰۳) احتیاط کا اقتضا یہ بھی تھا کہ لکھوانے پر صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قناعت نہیں فرماتے تھے بلکہ کاتب جب لکھ لیتے تو آپ پڑھوا کر سنتے۔ کاتب

(ح) حضرت زید بن ثابت کا بیان ہے کہ

فان کان فیہ سقط اقامہ — اگر کوئی حرف یا نقطہ لکھنے سے چھوٹ جاتا تو اس

(مجمع الزوائد ج ۱ صفحہ ۶) — کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درست کراتے

جب یہ سب کام پورا ہو جاتا تب اشاعتِ عام کا حکم دے دیا جاتا تھا پھر جو لکھنا جانتے تھے لکھ لیا کرتے تھے اور زبانی یاد کرنے والے زبانی یاد کر لیا کرتے تھے یہی مطلب ہے زید کے ان الفاظ کا کہ ثم اخرج بہ الی الناس (جب کتابت و تصحیح وغیرہ کے سارے مراتب ختم ہو جاتے تب ہم لوگوں میں اس کو نکالتے یعنی شائع کرتے)

مگر ظاہر ہے کہ ایسی زیر تصنیف متعدد کتابیں جو قرآنی سورتوں کے طریقے سے تدریجی طور پر مکمل ہوں تو ان کے متعلق یہ خیال کہ وہ مسلسل لکھی جاتیں صحیح نہ ہوگا بلکہ قرآنی سورتوں کی آیتوں کے نزول کا جو حال تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداً ان آیتوں کی حیثیت اس قسم کی یادداشتوں کی تھی جنھیں مصنفین اپنی پیش نظر تصانیف کے لئے پہلے جمع کرتے رہتے ہیں اور آہستہ آہستہ ان یادداشتوں کو ان کی متعلقہ کتابوں میں ترتیب کے ساتھ درج کرتے چلے جاتے ہیں۔

"ازالۃ الخفا" میں شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں "مثل آنکہ منشی منشات خود را یا شاعر قصائد و قطعات خود را در بیاضہا و سفینہا مندرج سازد[1]" اور اسی سے ان دونوں روایتوں کا مطلب سمجھ میں آتا ہے جو اس سلسلہ میں پائی جاتی ہیں یعنی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً قرآن اس قسم کی چیزوں سے مثلاً (چمڑا) لخاف (پتھر کی سفید پتلی پتلی تختیاں)، کتف (اونٹ کے مونڈھے کی گول ہڈی)، اور عسیب (کھجور کی شاخوں

---

[1] ازالۃ الخفاء ج ۲ صفحہ ۵

کی جڑ کا وہ حصہ جس میں کانٹے والے پتے نہیں ہوتے) یہ اور اسی قسم کی چیزوں میں لکھا جاتا تھا اور اسی کے ساتھ یہ روایت مستدرک حاکم میں پائی جاتی ہے یعنی بعض صحابہ فرماتے تھے کہ

کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن فی الرقاع	ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر رقاع (چمڑی قطعات) میں قرآن کی تالیف کرتے تھے۔

دونوں روایتوں سے قرآن کی کتابت کے دو طبعی مرحلوں کا پتہ چلتا ہے یعنی پہلی صورت کے متعلق تو یوں سمجھئے کہ شاعر اپنے مختلف اشعار کو جیسے جیسے وہ تیار ہوتے چلے جاتے ہوں چھوٹے چھوٹے پرزوں پہ نوٹ کرتا چلا جاتا ہے پھر جب اس کام سے فارغ ہو جاتا ہے تب ان ہی یادداشتوں سے اپنی غزلوں کو مرتب کرتا ہے جس شعر کا جس غزل سے تعلق ہوتا ہے اسی میں اس کو داخل کر دیتا ہے سمجھنا چاہیے کہ کچھ یہی صورت قرآن کے متعلق اختیار کی گئی تھی البتہ اتنا فرق معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگ کاغذ وغیرہ معمولی چیزوں پر اپنے منتشر اشعار یا خیالات کو ابتداء بطور یادداشت کے لکھ لیا کرتے ہیں گویا شاہ ولی اللہ کے الفاظ میں یادداشت کے ان کاغذی پرزوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اگر آں کاغذ را آب برسد یا در و آتش بگیرد یا حامل آں بمیرد کاملاً ذاہب نابود گردد (یعنی اگر پانی کاغذ کے ان ٹکڑوں میں پہنچ جاتے یا آگ لگ جائے یا جس کے پاس کاغذی یادداشتیں ہوں وہ مرجائے تو اس طرح ناپید ہو جائیں جیسے گذشتہ کل نابود ہو جاتا ہے)

مگر آں حضرت صلعم نے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہایت احتیاط سے کام لیتے ہوئے وحی کی ان ابتدائی مکتوبہ یادداشتوں کے لکھوانے کے لئے ایسی چیزوںؔ کا

لہ لیکن عام طور پہ یہ عجیب بات ہے کہ جن الفاظ میں ان چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے ترجمہ میں لاپروائی

(بقیہ صفحہ آئندہ)

انتخاب فرمایا تھا جن کے متعلق یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ عام حوادث و آفات کا نسبتاً زیادہ

(بقیہ حاشیہ سلسلۂ صفحہ گذشتہ) سے لوگوں نے کام لیا جس سے غلط فہمی پھیل گئی۔ میں پوچھتا ہوں کہ کوئی یوں کہے کہ اسکولوں میں بچے پتھر کے ٹکڑوں پر لکھتے ہیں یا ہندوستان قدیم میں لکھنے کا جو طریقہ تھا اس کو بیان کرتے ہوئے کہا جائے کہ تاڑ (داڑ) کے پتوں پر لکھا کرتے تھے کیا یہ واقعہ کی صحیح تعبیر ہوگی کیا اسکولوں میں سلیٹ پر لکھنے کا جو رواج ہے پتھر کے ٹکڑے کہنا ان کی صحیح تعبیر ہے اسی طرح ہندوستان قدیم میں تاڑ کے پتوں پر یوں ہی لکھا جاتا تھا جن لوگوں نے خود اپنی آنکھوں سے تاڑ کے پتوں پر لکھی ہوئی کتابوں کو نہیں دیکھا ہے صحیح اندازہ شاید ان کو اب بھی واقعہ کی حقیقی نوعیت کا نہیں ہو سکتا لیکن سچی بات یہ ہے کہ کاغذ کے اوراق سے زیادہ بہتر اور محفوظ طریقہ سے تاڑ کے پتوں پر لکھا جاتا تھا جامعہ عثمانیہ میں مسلم کتب خانہ ہی ان کتابوں کا داخل ہوا ہے تب لوگوں کی آنکھیں کھلیں بجنسہ کچھ اسی قسم کا مغالطہ ان چیزوں کے متعلق بھی عوام میں پھیلا ہوا ہے جن پر قرآنی وحی کی ابتدائی یادداشتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھوایا کرتے تھے مشہور ہو گیا ہے کہ کھجور کی شاخوں بلکہ بعض تو کہہ دیتے ہیں کہ کھجور کے پتوں یا پتھروں یا ہڈیوں پر قرآن لکھا ہوا تھا سوچنے کی بات تھی کہ کھجور کے پتوں بلکہ اس کی شاخ میں بھی اتنی گنجائش کہاں ہوتی ہے جس پر سطر دو سطر ہی لکھی جا سکے اسی طرح بن گھڑے پتھر یا گری پڑی ہڈیوں پر لکھنا کیا آسان ہے تفصیل کے لئے تو حضرت الاستاذ مولٰنا گیلانی کی کتاب پڑھیئے خلاصہ یہ ہے کہ حدیثوں میں ادیم۔ لخاف۔ کتف۔ عسیب۔ اقتاب کے الفاظ آئے ہیں ادیم باریک کھال سے دباغت کے عمل سے تیار ہوتا تھا عرب جو ایک گوشت خوار ملک تھا کافی ذخیرہ ادیم کا یہاں ملتا تھا حتی کہ خیمہ تک صرف ادیم کے چمڑوں سے تیار کیا جاتا تھا لخاف ہر معمولی پتھر کو نہیں کہتے تھے بلکہ بالاتفاق اہل لغت نے لکھا ہے کہ سفید رنگ کی پتلی پتلی چوڑی چوڑی تختیاں پتھر سے بنائی جاتی تھیں سلیٹ اور ان میں فرق گویا صرف رنگ کا ہوتا تھا اسی طرح اونٹ کے مونڈھے کے پاس گول ہڈی طشتری کی طرح بن جاتی ہے اس کو خاص طریقہ سے تراش کر نکالا جاتا تھا کاٹنے کے عمل میں کبھی تنگاف وغیرہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رہ جاتا تھا (دیکھو مسند احمد کی روایت از زید بن ثابت صحابی ص ۱۹۱) اسی لئے قطعۃ من الکتف بھی اس کو کہتے تھے مجمع الزوائد ج ۱ ص ۶۰) عسیب کھجور کی شاخ کو نہیں بلکہ پام قسم کے تمام درختوں کی شاخوں کا وہ حصہ جو تنے سے متصل ہوتا ہے اس میں کافی کشادگی پیدا ہو جاتی ہے۔ تاڑ، ناریل کی شاخوں میں ان کو آپ دیکھ سکتے ہیں عرب کے کھجور کی شاخوں کا یہ حصہ قریب قریب ہندوستان کے ناریل کی شاخوں کے اس حصہ کے برابر ہوتا تھا اس حصہ کو شاخ سے جدا

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

مقابلہ کر سکتی ہیں۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خلافت صدیقی میں حکومت کی طرف سے زید بن ثابت صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کا ایک نسخہ جو تیار کیا جس کا تفصیلی ذکر آگے آرہا ہے تو آں حضرت صلعم کی لکھائی ہوئی یہ ساری یادداشتیں بالکلیہ جوں کی توں اپنی اصلی حالت میں ان کو مل گئی تھیں مکتوبہ یادداشتوں کے اس انبار سے یہ عجیب بات ہے کہ دس پانچ نہیں بلکہ دو تین بھی نہیں صرف سورہ برات کی آخری حصہ کی ایک یادداشت جس میں صرف دو آیتیں تھیں یہی اور فقط یہی ایک یادداشت والا ٹکڑا اس پورے ذخیرے میں ان کو نہ مل سکا لیکن ظاہر ہے کہ صحابۂ کرام کے سینوں میں اور ان کے ذاتی مکتوبہ قرآنی نسخوں میں یہ آیتیں موجود تھیں بلکہ بطور وظیفہ کے ان کے پڑھنے کا معلوم ہوتا ہے کہ عام رواج بھی تھا۔

(بقیہ سلسلہ صفحہ گذشتہ) کر لیا جاتا تھا اور ان ہی ٹکڑوں کو خشک کر کے لکھتے تھے اقتاب قتب کی جمع ہے اونٹ کے کجاوے میں چھوٹی چھوٹی پٹیاں جو استعمال ہوتی ہیں ان کو کہتے ہیں یہ چوڑے چوڑے پتلے پتلے تختوں کے ٹکڑے ہوتے ہیں تازہ لکڑی کے چرتے ہیں تازگی کی وجہ سے عموماً کھردرے ہوتے ہیں اور پرانے کجاووں میں امتداد زمانہ سے ان کا کھردراپن مٹ جاتا تھا لکھنے کے کام کے باسانی یہ چیرنے سے بن جاتے تھے بتایا جائے کہ ان تفصیلات سے جو ناواقف ہوگا وہ ان عام پھیلے ہوئے الفاظ سے اگر غلط فہمی کا شکار ہو جائے تو کیا بعید ہے مولانا گیلانی کی کتاب میں مبسوط بحث ان کتابی مواد پر کی گئی ہے میں نے اسی کا خلاصہؒ یہاں درج کیا ہے ۱۲۔

لہ ابوداؤد وغیرہ صحاح ستہ کی کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اس باب میں جو مروی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ برات کی آخری ان آیتوں کے متعلق رسول اللہ اپنے صحابیوں سے فرمایا کرتے تھے کہ صبح و شام جو آدمی ان کی تلاوت سات مرتبہ کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا اور دین کے مشکلات اس کی برکت سے حل کر دیں گے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن آیتوں کی یہ خاصیت بیان کی ہو کون ہوگا جو معلوم ہو جانے کے بعد ان سے مستفید نہ ہوتا ہوگا اس سلسلہ میں بعض عجیب باتیں بھی لوگوں کو صحابہ ہی کے زمانہ میں ہوتے تھے۔ محمد بن کعب نے اس فوجی مہم کا ذکر کرتے ہوئے جس نے روم کے علاقہ پر حملہ کیا تھا یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک فوجی سپاہی کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی راستہ میں بے چارے اٹک گئے راستے میں

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

بہر حال اس وقت تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اور آیتوں اور فقروں کی صرف اسی ایک یادداشت کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھائی ہوئی تمام ابتدائی یادداشتوں کا خلافت صدیقی کے زمانہ میں مل جانا خود بھی ایک ایسا واقعہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی چیزوں پر ان کے لکھنے کا انتظام کیا گیا تھا جو اتنی طویل مدت یعنی چوبیس پچیس سال تک حوادث و آفات سے محفوظ رہ سکیں اس لئے کہ نزول وحی کی ابتدا سے حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کے اس عہد تک جس میں قرآن پر حکومت کے حکم سے حضرت زید بن ثابت نے کام کیا اتنی ہی مدت ہوتی چاہیے ۔

بہر حال ایام جاہلیت کی تاریخ سے جو جاہل ہیں ان کا یہ خیال قطعاً بے بنیاد ہے کہ لکھنے کے سامان کی کمیابی کی وجہ سے رسول اللہ قرآن کی ابتدائی یادداشتوں کو اس قسم کی چیزوں یعنی چمڑے یا الواح (سنگی باریک تختیوں) عسیب (شاخ خرما کی جڑ کا عریض حصہ) کتف (شانہ شتر) وغیرہ پر لکھوایا کرتے تھے، لیکن یہ وہی کہہ سکتا ہے جسے عرب کے اس صحیح حالات کا علم نہیں ہے تفصیل تو آگے آرہی ہے کچھ نہیں تو ابھی مستدرک حاکم کی جو روایت گذری جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی آیات کی کتابت کے پہلے مرحلے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھ کر رقاع میں قرآن کو صحابہ جمع کرتے تھے اور رقاع جیسا کہ معلوم ہے رقعہ کی جمع ہے یہ چمڑے کے خاص قسم کے ٹکڑے ہوتے تھے جو لکھنے ہی کے لئے تیار کئے جاتے تھے گویا (Parchement) رق ہی کی تعبیر رقاع سے کی گئی ہے یا پارچمنٹ ہی کی کسی خاص قسم کا نام رقاع تھا ۔ باقی آئندہ

(بقیہ سلسلہ صفحہ گذشتہ) کسی نے ان کو سورۂ براءت کے ان ہی الفاظ کا وظیفہ بتایا اور کہا کہ اسی کو پڑھ کر ٹوٹتے ہوئے مقام کو جھاڑ کر دکھاوے کہ عمل سے اس کی تصدیق ہوئی یعنی ٹانگ ان کی درست ہوگئی اور اتنی درست کہ گھوڑے پر سوار ہو کر فوج میں پھر آکر مل گئے ۔ دیکھو در منثور ج ۳ ص ۲۹۷ ۔